(محدث العصر شیخ یونس جونپوری نور اللہ مرقدہ کی کچھ یادیں)

(از: ملا اویس نمازی ندوی بریطانی)

کچھ یاروں کی درخواست پر حالیہ مرحوم شیخ یونس جونپوری نور اللہ مرقدہ کی صحبتوں اور نجی مجلسوں کی چند محفوظ کردہ باتیں امانتا ذکر کر دئے دیتا ہوں تاکہ کہیں کتمان علم کا الزام نہ لگے، ورنہ حقیقت یہ ہیکہ حضرت شیخ پر قلم اٹھانے کا بار مجھ سے کئی بڑے اور قریبی حضرات زیارہ اہل اور مستحق ہیں؛ انہیں یقیناً زیادہ علمی وروحانی گوہر وسامان فیض نصیب ہوا ہیں۔

اس کے باوجود یہ تصریح کر دئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اب تک مولانا پر جتنا لکھا گیا ہے ان کی شان اس سے کئی گونا بڑی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہیکہ حضرت کی شخصیت مختلف الجہت اور آفاقی تھی؛ کئی علوم وفنون پر کامل مہارت وعبور رکھنے کے ساتھ ساتھ خاص رائی وتحقیق رکھتے تھے۔

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

یوں تو وہ شیخ الحدیث کے منصب عالی اور بخاری شریف کی نسبت سے ممتاز ومعروف ہوئے مگر اس سے ہر گز ہر گز یہ عامیانہ گمان نہ آنا چاہئے کہ ان کے علوم اسی فن تک محدود رہے، اس پر مولانا قاسم نانوتوی کی ایک قیمتی بات یاد آئی، وہ فرماتے تھے کہ مولانا مرزا مظہر جان جانان تصوف سے معروف ہوئے اور شاہ ولی اللہ علوم سے، مگر یہ سمجھنا قطعا درست نہیں کہ حضرت شاہ صاحب تصوف سے بے بہرہ اور حضرت مرزا مظہر علوم سے عاری تھے۔ جن چیزوں سے دونوں مشہور ہوئے وہ ایک اتفاقی امر ہے ورنہ دونوں شریعت وطریقت؛ اسلام واحسان؛ فلسفہ وروح میں درجہ اتم کو پہونچے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی کے اس لائق ترین خلف الرشید کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا ہے۔

اگر علم حدیث سے شہرت نہ ہوتی تو علوم قرآن، تفسیر، علم کلام یا کسی اور فن سے ہوتی، حضرت کا مقام تفسیر اور قرآنیات میں بھی کم نہیں تھا۔ بخاری کے درس میں کئی تفاسیر کا ذکر آتا اور اس سے بآسانی ایک طالب علم پڑھ سکتا تھا کہ انہوں نے امہات التفاسیر کے علاوہ کئی نجی تفاسیر کا مطالعہ رکھا ہے۔ آگے ایک مثال آئیگی۔

قرآنیات میں بھی ابن القیم اور ابن تیمیہ کے صلے سے بہت کچھ ملا تھا۔ ایک بار میرے استاذ محترم مولانا سلمان حسینی کی تقریروں پر ایک دیوبندی عالم نے یہ اعتراض تحریر کیا کہ مولانا نے علم اور کارنامہائے انبیاء کی جو تشریح کی ہے کہ مثلا حضرت داود کی

Uploaded by: www.nawadir.org

صنعت گری خدا سے علم ملنے کی وجے سے تھا یا حضرت نوح کا کشتی بنانا علم کی بدولت تھا: اس سے انکار معجزات لازم آتا ہے اور مولانا کی یہ تفسیر جدت پسندی پر مبنی ہے، مولانا نے سختی سے انکار و تردید فرمایا اور مزید فرمایا کہ اس عالم کو ابن القیم کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر ایک نے اپنی بساط بھر و حوصلے کے مطابق ان سے استفادہ کیا، اسلئے ہو سکتا ہے مستفیدین زیادہ تر حدیثی ذوق رکھنے والے ہو۔ یا یہ کہ چونکہ مولانا وسیع الظرف تھے اور وہ ہر ایک کی خیر خواہی چاہتے تھے، بہت سی بار اشراف نفس کے بعد ایسی نصیحت فرماتے تھے جن سے سامع کے فائدہ کا قوی امکان ہو اور جس میں اس کی ترقی کا سامان مضمر ہو۔ یہی وہ راز ہے جسکی وجے سے مولانا کہیں ناقد اور کہیں مداح نظر آتے ہیں۔

مثلا مولانا کی ابن تیمیہ کی مدح سرائی مشہور ہے۔ لیکن انہوں نے علامہ زاہد کوثری کی بھی تعریف و قدر شناسی کی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: "غیر ان کی برائی کرتے ہیں تو کیا ہوا؟ مولانا نے احناف کا دفاع کیا ہے اور غیر کی بدزبانی پر (قابل قدر) گرفت کی ہے۔ وہ بڑے عالم ہے۔ (انہیں اس کا حق ہے)"

اسی طرح مولانا کی مجلسوں میں شریک رہنے سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا مجلس کی رعایت کرتے تھے۔ ایک مجلس میں شاہ اسماعیل شہید کا فقہی مسلک اور حدیث میں نقطہ نظر زیر بحث آیا بالخصوص شاہ شہید کا یہ ضابطہ "میں صحیح حدیث معلل کو بھی قابل عمل سمجھتا ہوں جب تک کہ اس کی علت ظاہر نہ ہو جائے"، اتنے میں عصر کیلئے طلبہ کمرے میں داخل ہوئے۔ مولانا نے تو رنت یہ فرما کر گفتگوں ٹال دی: "اسے اب چھوڑ دو، ورنہ یہ لوگ مجھے کچھ اور کہینگے۔ بعد میں پوچھ لینا"

اسی طرح مثلا مولانا انگریز کے ناقد نظر آتے ہیں اور مختلف باتیں انگریزی تہذیب اور قوم انگریز کی مذمت میں فرماتے تھے۔ جس کا زیادہ تر مقصد سامعین کے دل سے انگریزیت کی مرعوبیت نکالنی ہوتی۔ ایک بار کمرہ صاف ہو رہا تھا جس کے دوران ان کی زیر ملکیت مختلف انواع کی عصائے ان کے سامنے رکھی گئی۔ ان میں ایک عصا ایسی تھی کہ اسے لپیٹ کر بالشت کے برابر بنائی جاسکتی تھی تاکہ سفر وغیرہ میں اسے لے جانا آسان ہو، اسے دیکھ کر مولانا نے فرمایا: "انگروزوں نے تو واقعی کمال کر رکھا ہے، وہ ہر چیز میں دماغ دوڑاتے ہیں اور ہمارے ہندوستانی صرف نقل کرنا جانتے ہیں، کوئی دماغ ہی نہیں استعمال کرتے!"

Uploaded by: www.nawadir.org

مولانا کو ادب وشاعری سے بھی شغف تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جو کوئی حاضر ہوتا اس کو کمال ادب سے رہنا اور جواب ٹھیک پورے جملے میں دینا لازمی تھا۔ اگر اردو ٹھیک طریقے سے نہیں بولی جاتی تو وہ ٹوکتے یا تجاہل برتتے۔ ایک مرتبہ مجلس میں کسی نے ابن القیم کی ایک کتاب کا اردو ترجمہ پیش کیا۔ عنوان کتاب پر مولانا نے تبصرہ کیا کہ ترجمہ درست نہیں، بہتر اس طرح ہے۔

یہ درست ہے کہ وہ علامہ رومی اور ان کی مثنوی کے زیادہ قائل نہیں تھے، مگر شیخ سعدی کی شاعری اور تصوف کے بڑے قائل تھے، جھوم جھوم کر سنتے اور سناتے۔ اسی طرح اردو میں جگر مرادآبادی سے خاص لگن تھا۔ مرحوم جگر کے غزلوں میں بے شک جادوں ہے لیکن ایک خاص امتیاز جگر کی شاعری کا تصوف اور اس کے رموز وحقائق کا بیان ہے جسے شیخ خوب پاتے اور شاباشی دیتے۔

ان من البیان لسحرا کی تشریح میں جب استاذی گرامی مولانا سلمان ندوی نے پوچھا تو جواب دیا اس کی مثال آپ کی تقریر ہے!

مولانا کی ظرافت بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ ویسے یہ کافی غلط فہمی کا باعث بھی بنا ہوا ہے۔ مولانا کی چونکہ کوئی اولاد نہیں تھی اور خود کا بچپنہ بہت تکلیف سے گزرا تھا وہ مستی ومذاق، ڈانٹ ڈپٹ انہیں حضرات سے کرتے تھے جن سے دلی تعلق یا دلچسپی رکھتے تھے۔ عوام اور جاہل اس سے یہ سمجھ لیتی ہیں کہ مولانا نے جن پر طعن کیا یا کچھ بظاہر تنقید کے الفاظ تفریحا یا تعریضا ذکر کئے ہیں اس کا مطلب واقعی یہ ہیکہ موصوف ان خامیوں کا حامل ہے۔ درست نہیں۔ اکثر بعد میں معافی مانگتے، خوب دعائیں دیتے، کرم فرماتے، توجہ دیتے اور عذر تک دے دیتے تھے۔

مولانا کی معلومات کا دائرہ کتنا وسیع تھا اس سے اندازہ لگائے کہ ایک بار مجلس میں میری جانب مخاطب ہو کر پوچھا: کیا خبر ہے؟ ہندی اخباروں میں چرچا محمد علی کی بیٹی کی لڑائی کا تھا۔ مولانا سے بیان کیا، مولانا نے فوراجواب دیا: محمد علی! وہ مکاباز جس نے اپنے مکوں سے پوری دنیا کو ہرایا!

مجھے حیرت ہوئی کہ اس گوشہ نشین شیخ الحدیث جس نے پوری عمر علم ودینی علم کیلئے وقف کر رکھی ہے کیسے ان دنیاوی معلومات کا بھی احاطہ رکھا ہے۔ پھر مولانا نے محمد کی کے خاندان اور افراد کے بارے میں پوچھا، جواب دینے پر ان کی خاندان کیلئے دعائیں دی، پھر حکم دیا: ”جاو، اس (کی ان بیٹی) کو بتاو کہ تقوی اختیار کرے!“

مولانا حضرت تھانوی اور انکے حلقے کے بڑے قائل تھے۔ شاہ وصی اللہ فتحپوری کا نام بڑی عظمت سے لیتے، ان کے خلفاء مولانا کے گاوں اور علاقے میں بسے ہوئے تھے، اس لئے شاید زیادہ ذکر آتا تھا۔ ورنہ شاہ وصی اللہ کا مقام تھانوی حلقے میں مسلم ہے۔

Uploaded by: www.nawadir.org

مولانا نے ایک بار واقعہ سنایا تھا کہ ایک مرتبہ شاہ وصی اللہ بنارس یا جونپور میں تقریر کر رہے تھے، دوران تقریر فرمایا: امام علی فرماتے ہیں۔۔۔ تھوڑی دیر کیلئے رک گئے اور پھر فرمایا: جی ہاں! امام علی نے فرمایا، وہ ہمارے بھی امام ہے، کس نے کہاں وہ ہمارے امام نہیں ہے؟!

حضرت شاہ صاحب کا یہ فرمانا تھا کہ باہر سے ایک شیعہ جو تقریر کو سن رہا تھا مسجد میں آکر مولانا کے ہاتھوں تائب ہوا!

ایک مجلس میں ملفوظات کا ذکر چھڑ گیا، مولانا نے فرمایا: "ملفوظات تو مولانا تھانوی کے ساتھ چلے گئے، وہی اس فن کے بادشاہ تھے، یہ فن انہی کا تھا، اور بہت سی باتیں الہامی معلوم ہوتی ہے۔"

ایک زمانے میں ایام طالب علمی کے دوران چند مسائل میں تحقیق کر رہا تھا، حدیث ابدال اور اس کے متعلق مباحث کا مطالعہ کافی زور سے ہو رہا تھا اور تخریج بھی کر چکا تھا، آخر یہ فیصلہ کیا کہ مولانا سے جاکر ان سے اس کے متعلق سوال کرونگا، وہ جو فرمائنگے اسی کو حرف آخر مان لونگا اور اس مسئلہ کو فی الحال کیلئے تمام شد سمجھونگا۔ چنانچہ سہارنپور کا سفر ہوا اور ظہر سے پہلے درس کے بعد اپنے کمرے میں مناسب وقت ملا۔ دریافت کیا، ہاتھ اٹھا کر انکار کیا "کچھ نہیں!"۔ پھر ابن تیمیہ کی تحقیق پیش کی۔ جس کے دوران اور مناسبت سے دو باتیں میں نے بعد میں جاکر لکھ لی تھی:

۱۔ ابن تیمیہ عدیم المثال انسان تھے، ان کے علم کا احتواء مشکل ہے۔

۲۔ حدیث (لولاک) سے رجوع، مولانا کا ایک رسالہ اس حدیث پر ہے جس میں انہوں نے جمہور کی رائی اختیار کی تھی کہ حدیث سنداً موضوع معنی صحیح، لیکن حدیث ابدال اور اس کے متعلقات پر کلام کرتے ہوئے اللہ کی شان بے نیازی اور غنی ہونے کا تصور اس قدر جما کہ فرمایا خدا کسی کا محتاج نہیں۔ اور بایں معنی حدیث لولاک معنی بھی صحیح نہیں۔ پھر مفتی محمد زید مظاہری ندوی جن کے پاس مولانا کے متعدد رسائل تھے اور جن کی ایڈٹنگ اور اشاعت ان کے ذمہ تھی ان کو اپنے اس رجوع کی اطلاع دینے کا امر دیا۔

اس مناسبت سے میں نے امام احمد وغیرہ کی رائے پیش کی: ان لم یکن ھم اصحاب الحدیث فلا اعرف للہ ابدالا۔ اس سے بڑے خوش ہوئے۔

Uploaded by: www.nawadir.org

کسی سال میں مدرسے کی چھٹی ہونے پر استاذ محترم جو کہ مولانا کے شاگرد تھے اور انہی کی واسطت سے مولانا کا تعارف پھر صحبت وخدمت میں رہنے کا موقع نصیب ہوتا، اللہ ان استاذ کو کروٹ کروٹ جزائے خیر دے، ان کے ساتھ سفر ہوا۔ سفر کے آغاز میں علامہ شبلی کے متعلق تبادلہ خیال ہوا، میں نے اپنا رجحان ان کے تجدیدی حیثیت سے اظہار کیا اور استاذ گرامی نے اس کی نفی کی۔

بہر کیف، سہارنپور پہونچنے پر جو بیانیہ ملا استاذ گرامی متحیر ہوئے:

"شبلی مظلوم ہے! ان کے جیسا کوئی شخص نہیں، وہ عبقری الدھر ہے، انہوں نے تاریخ کا ایک نیا طرز اپنایا ہے، لوگ عموماً طبقات ابن سعد وابن ہشام سے سیرت وتاریخ لکھتے آئے ہیں مگر شبلی نے ایک نیا طرز اپنایا کہ صحیح بخاری، قرآن اور دنیا بھر کی کتابوں سے جھانٹ چھانٹ کر کے لکھنا شروع کیا۔ انہیں نے لوگوں کو ایک نیا منہج دیا اور تاریخی شعور بیدار کیا۔ صاحب نزھۃ الخواطر نے انہیں معتزلی لکھا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہیکہ جو کوئی انکی کتابیں پڑھتا ہے وہ مرعوب ہو جاتا ہے، آج بھی کئی گوک انکے مرعوب ہے۔"

غالباً اسی مجلس کے دوران استاذ محترم نے ایک شاگرد کا سوال ان کے حوالہ کیا جسے انکو دوران تدریس ملا: "کہ شبلی جن احادیث پر کلام فرماتے ہیں وہ قابل قبول ہے یا نہیں، یا بالفاظ دیگر شبلی کا شمار واعتبار علم الجرح والتعدیل میں ہوتا ہے یا نہیں؟" اس پر جواب عنایت ہوا: "شبلی محدث تو نہیں البتہ محقق ضرور ہے، وہ جو کچھ فرماتے ہیں تحقیق کے بعد ہی فرماتے ہیں، لہذا انکی تنقید قابل قبول ہے۔"

ایک اور موقع پر فرمایا: "شبلی کی سیرت النبی کا ایک ایک سطر عشق رسول سے معطر ہے۔ شبلی نے عشق رسول سے سیرت لکھی ہے، شبلی کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت تھی، سن لو مجھے بھی شبلی سے محبت ہے کیونکہ اس اللہ اور اسکے رسول سے محبت ہے اور مجھے بھی اللہ اور اسکے رسول سے محبت ہے"

ایک اور موقع پر فرمایا: "شبلی نے کس قدر محبت سے سیرت النبی لکھی ہے، اس کے پہلے صفحے سے اس کا اندازہ لگا لیجئے"

اسی چھٹی کی صحبتوں کے دوران ذکر مولانا مودودی اور مولانا دریابادی کا چھیڑ اگیا، خاص طور سے ان کے تفسیری سرمایہ اور تنقید بر مغرب۔ فرمایا: "مولانا مودودی کا ایک نیا انداز تھا، وہ انگریزوں کو اپنے اصول سے توڑنے کا لیکن انکی جدت اور زبان ہمارے مولوی لوگ ہضم نہیں کر پاتے تھے، اسکے برخلاف مولانا عبد الماجد دریابادی کا انداز پرانہ اور انوکھا ہے، اسلئے انکی باتیں زیادہ

Uploaded by: www.nawadir.org

حکیمانہ نظر آتی ہے، بہت سے لوگوں نے ان پر بے تنقید کی ہے لیکن حقیقت یہ ہیکہ سبھی نے ان سے استفادہ کیا بلکہ انکے ناقدین ان سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے ہیں (یعنی فائدہ سب سے زیادہ انہوں نے اٹھایا جنہوں نے انہیں نشان تنقید بنایا)۔

مولانا علی میاں کا طرز اور نقد حکیمانہ تھا، وہ تنقید میں امام بخاری کی پیروی کرتے تھے، بغیر نام لئے بڑی خوبی سے تنقید کر جاتے، تراجم بخاری کی طرح ڈونڈھنا پڑتا ہے کہ اس تحریر سے مولانا کس پر نقد کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مکمل کتاب نقد میں لکھی مگر کہیں پر بھی نام نہیں لیا (تحریک دعوت وعزیمت، رجال الفکر والدعوۃ)۔ ہمارے ہاں بھی مولانا علی میاں کی طرح سید کی تکفیر و تفسیق نہیں ہے۔

مولانا دریابادی کے پاس تقوی تھا، مولانا مودودی کے بارے میں پتہ نہیں۔ مولانا علی میاں کے بارے میں تو ظاہر ہے کچھ خاندانی بھی تھا۔"

مولانا کے ملفوظات اور بھی لکھے جاسکتے ہیں۔ فی الحال اس پر اکتفاء کرتا ہوں۔ باقی کسی اور وقت۔ اس تمام تحریر سے خود کے تاثرات اور مولانا کی صحبتوں میں جو کیفیات نازل ہوتے تھے اس کو قصدا بیان نہیں کیا اور نہی مولانا کے معنوی کمالات کا ذکر چھیرا ہے۔

مولانا کے نام سے اب بھی دل میں ادب و پاس ولحاظ، عظمت و ہیبت اسی طرح مستولی ہے جس طرح ان کی معیت میں رہتا تھا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔ لکھنے کا ارادہ اولا ان کے انتقال کی خبر سنتے ہی فسخ کر دیا تھا، لب کشائی بے ادبی پر محمول کر رکھا تھا، بعد میں کچھ غیبی نشانیاں ملی کہ بے ادبی نہیں۔ حواس کو قابو میں لیا۔ اور وقت نے مزید تسلی دی۔

اللہ تعالی مولانا کو بہتر سے بہتر بدلہ دے اور ہم نااہلوں کو ان کے وسیلے سے جو کچھ ملا اس کی قدر نصیب فرماوے اور مزید ان کے علوم سے استفادے کے مواقع فراہم فرمائے۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتننا بعدہ۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

Uploaded by: www.nawadir.org